پروفیسر خورشید عالم

چہرے کا پردہ

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ چنانچہ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

حسب ذیل مضمون معروف اسکالر جناب پروفیسر خورشید عالم صاحب کی تالیف ہے۔ اس میں انھوں نے عورت کے حجاب کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں مدیر 'اشراق' جناب جاوید احمد صاحب غامدی کا موقف ان کی تالیف ''قانون معاشرت'' میں ''مردوزن کا اختلاط'' کے زیرعنوان شائع ہو چکا ہے۔ نائب مدیر]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خالق کائنات نے آدم اور حوا، دونوں کو جنت کا مکین بنایا۔ دونوں کو حکم دیا کہ اللہ کی اطاعت کریں۔ لیکن دونوں کو ابلیس نے حیات جاوداں کا فریب دے کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کیا جس سے اللہ نے ان دونوں کو منع فرمایا تھا۔ نافرمانی کی پاداش میں دونوں کے مخصوص اعضا ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو گئے۔ طبعی مزاج کے باعث وہ اپنے اعضا پر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔ اللہ نے ان کے لیے زمین پر ٹھکانا بنایا اور انھیں زمین پر اترنے کا حکم دیا اور ان کو زندگی گزارنے کے لیے ہر وہ چیز مہیا کی جس کی ان کو ضرورت تھی۔ سب سے پہلے ان کو لباس کی نعمت سے نوازا، کیونکہ عریانی انسان کی توہین اور رسوائی کا باعث ہے اور ستر پوشی انسان کی عزت و تکریم کا سبب۔ یہ لباس تین قسم کا تھا: ستر پوشی کا لباس، زینت کا لباس اور تقویٰ کا لباس۔ پہلے دو لباس بدن کے عیوب کو چھپاتے ہیں اور تیسرا لباس دل کے عیوب کو دور کرتا ہے۔ تقویٰ کیا ہے؟ برائی سے رکتے اور بھلائی کو کرتے وقت اللہ کے خوف کا احساس، یعنی اللہ انسان کے اندر ایک ایسی پاکیزگی پیدا کرنا چاہتا ہے جو انسان کے ایمان اور وجدان سے پیدا ہوتی ہے، نہ کہ قانون کے زور سے۔ دونوں ظاہری لباس باطنی لباس کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اگر دلوں میں تقویٰ نہ ہو تو سات یا آٹھ میٹر کا کپڑا مرد و زن کو ایک دوسرے کی ذہنی خباثت سے کیسے محفوظ رکھ سکتا ہے؟

آدم کو خلافت کی جو ذمہ داریاں سونپی گئیں، ان کو آدم اور حوا نے مل جل کر پورا کرنا تھا۔ زندگی کی اس تگ ودو میں دونوں برابر کے شریک ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔'' (التوبہ ۹: ۷۱)

آدم وحوا، مرد اور عورت، دونوں ایک دوسرے کے زوج ہیں۔ دونوں مل جل کر معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ناقص ہیں۔ دونوں یکساں واجب التعظیم ہیں۔ دونوں کو دل ودماغ کی یکساں صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں۔ دونوں احکام الٰہی کے مکلّف ہیں اور دونوں کے اعمال کی جزا اور سزا برابر ہے۔

اگر قدرت کا منشا یہ ہوتا کہ عورت کو چھپا کر مرد سے علیحدہ رکھا جائے تاکہ عورت اس کی عطا کردہ صلاحیتوں کا محدود استعمال کرے تو قدرت عورت کی ان صلاحیتوں کو مختلف ساخت دے دیتی، مگر قدرت نے عورت کو مرد کی طرح سننے، دیکھنے اور سوچنے کی صلاحیتیں دی ہیں تاکہ وہ مرد کے ساتھ مل کر بھرپور فعال کردار ادا کرے اور تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ چنانچہ عورت کو سوسائٹی سے کاٹ کر گھر میں بند رکھنا منشاے الٰہی کے خلاف ہے۔ عہد نبوت اور خلفاے راشدہ کے دور میں بھی عورتیں اپنے خانگی کاموں یا دینی وتمدنی ضروریات کے لیے گھروں سے باہر نکلتی تھیں، وہ مردوں سے چھپ کر زندگی بسر نہیں کرتی تھیں، بلکہ دینی اور ثقافتی تقریبات میں شرکت کرتی تھیں، وعظ ونصیحت کی مجالس میں اور پنج وقتہ نماز میں شرکت کے لیے مسجد نبوی میں جایا کرتی تھیں، لیکن باہر نکلتے وقت ان کے لباس اور رفتار وگفتار میں بے حیائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دور ملوکیت میں روم اور ایران کی شہنشاہیت کے زیر اثر عورتوں کو مردوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ پردہ نشینی عرب سماج میں مروج ہو گئی اور حرم کا نظام عمل میں آ گیا۔ عورتوں کو سختی کے ساتھ گھروں میں بند رکھنے کی رسم کا اسلام میں قطعی کوئی وجود نہیں، بلکہ قرآن نے عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے کو بطور سزا تسلیم کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''جو عورتیں تمھاری بیویوں میں سے بے حیائی کا کام کریں تو تم ان عورتوں پر چار آدمی اپنے میں سے گواہ کر لو، پس اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ تجویز فرمائیں۔'' (النساء ۴: ۱۵)

پردے کے جتنے احکام قرآن میں موجود ہیں، ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ عورت کو چھپا کر نہ رکھا جائے، بلکہ باہر نکلتے وقت لباس میں احتیاط کی جائے۔ اگر خواتین کو چھپا کر پابند رکھنا مقصود ہوتا تو پردے کے احکام کی کیا ضرورت تھی، کیونکہ گھر تو بذات خود ایک پردہ ہے۔ اسلام میں عورت کا پردہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ میل جول کے

دوران میں اپنے بدن کو ڈھانپے اور اس کی نمایش نہ کرے۔

مرد اور عورت، دونوں کو نظریں نیچی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ مردوں کو پہلے حکم دیا گیا ہے، مگر عجیب بات ہے کہ مردوں کو جو حکم ہوا، اس کا چرچا نہیں ہوتا۔ طبرانی نے حضرت جابر سے روایت کی ہے:

عفوا تعف نساء کم و بروا آباء کم تبر أبناء کم .

''پاک باز ہو جاؤ، تمھاری عورتیں خود بخود پاک باز ہو جائیں گی۔ اپنے ماں باپ کے فرماں بردار ہو جاؤ، تمھاری اولاد خود بخود تمھاری فرماں بردار ہو جائے گی۔''

آپ نے دیکھا کہ اخلاقی حدود نیک مرد متعین کرتے ہیں۔ چند بدنیت مردوں کی موجودگی کی وجہ سے عورت نارمل اور بھرپور زندگی بسر کرنے کے حق سے محروم ہو جاتی ہے۔ منہ چھپانے والی عورت دراصل اخلاقی لحاظ سے مرد کو ایک کمزور اور ناقابل اعتبار مخلوق قرار دے رہی ہوتی ہے۔

موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے دو باتوں کا ذکر بطور خاص کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ ان کے بغیر موضوع کے بارے میں ذہن صاف نہیں ہوگا۔ پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ نور سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اس سورت میں غزوۂ خندق اور بنوقریظہ کی فتح کا ذکر ہے اور یہ واقعات ذی قعدہ کے آخر میں ۴ ھ میں رونما ہوئے، جبکہ سورۂ نور واقعۂ افک اور غزوۂ بنی مصطلق کے بعد نازل ہوئی اور یہ واقعات شعبان ۶ ھ میں ہوئے۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

حافظ ابن حجر عسقلانی ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

''مشہور قول یہی ہے کہ سورۂ احزاب ۴ ھ میں نازل ہوئی اور اس کی دلیل عبداللہ بن عمر کی وہ روایت ہے جسے بخاری نے (کتاب الشہادات اور کتاب المغازی) اور مسلم نے (کتاب الامارۃ میں) پیش کیا ہے کہ انھوں نے جنگ احد کے موقع پر جبکہ ان کی عمر چودہ برس تھی، اپنے آپ کو جہاد کے لیے پیش کیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ پھر انھوں نے اپنی خدمات غزوۂ خندق کے موقع پر پیش کیں، جبکہ وہ پندرہ برس کے تھے تو آپ نے اجازت دے دی۔'' (۷: ۴۰۷، ۴۰۸)

مسلم کے شارح امام نووی کہتے ہیں کہ یہ روایت بتاتی ہے کہ غزوۂ خندق ۴ ھ میں ہوا اور یہ صحیح ہے، کیونکہ غزوۂ احد بلاشک ۳ ھ میں ہوا۔ مالک بن انس، موسیٰ بن عقبہ، امام بخاری، ابن قتیبہ، یعقوب بن سفیان، امام نووی، امام ابن حزم اور ابن خلدون نے اسی رائے کی تائید کی ہے۔ طبرانی نے ابن اسحاق کی سند سے روایت کی ہے کہ ''غزوۂ بنی

مصطلق ۶ ھ میں ہوا[1]۔'' ھیثمی کا قول ہے کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن جریر طبری، ابن حزم، ابن العربی، ابن اثیر اور ابن خلدون کی بھی یہی رائے ہے۔ امام سیوطی نے بھی اتقان میں سورۂ احزاب کو سورۂ نور سے مقدم تسلیم کیا ہے[2]۔

دوسری بات یہ ہے کہ لفظ حجاب اور ستر میں کیا فرق ہے؟ اس کی وضاحت ضروری ہے۔ امام راغب حجاب کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی چیز تک پہنچنے سے روکنا اور درمیان میں حائل ہونا، جیسے وہ پردہ جو دل اور پیٹ کے درمیان حائل ہے، اسے حجاب الجوف (Diaphragm) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان حجاب ہوگا[3]۔ اس سے مراد وہ آڑ ہے جو جنت کی لذتوں کو جہنم تک پہنچنے سے روک دے گی۔ حاجب دربان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: 'کلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون[4]' اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے روز تجلی الٰہی سے ان کو روک لیا جائے گا۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں حجاب کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حکومتیں اپنی تشکیل کے ابتدائی ایام میں اپنے اور عوام کے درمیان کوئی حجاب یا فاصلہ نہیں رکھتیں۔ اس طرح اردو میں حجاب کے معنی رکاوٹ، آڑ اور اوٹ کے بنتے ہیں۔ ان معنوں میں لباس اور پہناوے کا مفہوم قطعی شامل نہیں۔ عورت کے پردے کے بارے میں حجاب کا استعمال ایک نئی اصطلاح ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی پردے کو دوسری اقوام کے پردوں پر قیاس کیا گیا ہے۔ زمانۂ قدیم اور خاص طور پر فقہا کی اصطلاح میں ستر پردے کے معنوں میں آتا ہے۔ کتاب الصلاۃ ہو یا کتاب النکاح، فقہا نے ہر جگہ پہناوے کے مفہوم میں لفظ حجاب کو نہیں، بلکہ ستر کو استعمال کیا ہے۔ فقہا نے کبھی بھی آیت حجاب کو ستر کے حق میں پیش نہیں کیا۔ آج کل حجاب کو صرف سکارف کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فرانس، ترکی یا جہاں خواتین حجاب کے حق میں مظاہرہ کرتی ہیں، وہاں اس سے مراد Head Scarf (سرپوش) ہوتا ہے۔

میں صرف ان آیات مبارکہ کا ذکر کروں گا جن میں یا تو پردے کے حدود متعین ہیں یا انھیں چہرے کے پردے

---

۱ مجمع الزوائد ۶:۱۴۲۔

۲ ۱:۸۲۔

۳ ۵:۴۶۔

۴ ۸۳:15۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے بارے میں بطور دلیل استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ احزاب کی آیات کو پیش کروں گا کیونکہ وہ سورۂ نور سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اے ایمان والو، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں (یونہی) مت داخل ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، مگر اس کے پکنے کے منتظر نہ رہو، بلکہ جب تمھیں بلایا جائے (کہ کھانا تیار ہے) تب داخل ہوا کرو پھر جب تم کھانا کھا لو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔ یہ بات نبی کو تکلیف دیتی ہے، وہ تم سے حیا کرتے ہیں۔ اللہ حق بات کہنے سے شرم نہیں کرتا۔ اور جب تم ان (امہات المومنین) سے کوئی متاع (سامان) مانگو تو اوٹ کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ بات تمھارے دلوں کے لیے اور ان کے دلوں کے لیے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تمھیں مناسب نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد نکاح کرو اور یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بری ہے۔" (۳۳:۵۳)

پس منظر

منافقین کا گروہ مدینے میں اسلامی معاشرے کے خلاف نت نئی سازشوں میں مصروف تھا اور وہ شب و روز اس ٹوہ میں رہتے تھے کہ اہل بیت کے بارے میں کوئی اسکینڈل بنائیں تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو اور مسلمانوں کی ساکھ کو نقصان پہنچے۔ بقول مولانا امین احسن اصلاحی وہ درانہ نبی کریم کے گھروں میں گھس جاتے تھے تاکہ وسوسہ اندازی کا کوئی موقع ان کے ہاتھ لگے۔ یہ حالات تھے جب مسلمانوں کو امہات المومنین سے تخاطب اور گھروں کے اندر جانے کے آداب کی تعلیم دی گئی اور امہات المومنین کو اپنا رویہ بدلنے کا حکم ہوا تاکہ غرض مندان کی کسی لغزش کو حجت نہ بنا سکیں۔ منافق عورتیں ازواج مطہرات کے دلوں میں اس قسم کے ارمان پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھیں کہ آپ تقشّف کی اس زندگی سے چھٹکارہ حاصل کر لیں تو وقت کے سردار آپ کو نکاح کا پیغام دیں گے۔ امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ کیا، وہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ سورۂ احزاب کی آیات نمبر ۲۸ تا ۳۴ میں مخاطب امہات المومنین ہیں، ان آیات کی ابتدا اور انتہا، ان کا انداز بیان اور افعال وضمائر کا استعمال، سب اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ منافقوں کی سازشوں کے پیش نظر امہات المومنین کو خاص خاص باتوں کی تعلیم دی گئی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

شان نزول

آیت نمبر۵۳ کی شان نزول بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آیت امہات المومنین کے لیے مخصوص ہے۔ ابن العربی احکام القرآن میں کہتے ہیں کہ اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں صحیح روایات حضرت انس سے مروی ہیں[5]۔ حضرت انس کی روایت کو بخاری، مسلم اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو سب سے بہتر جانتا ہوں:

''جب سیدہ زینب بنت جحش نکاح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئیں تو آپ نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا۔ ستو اور گھی کا آمیزہ بنایا اور ایک بکری ذبح کی۔ میری والدہ ام سلیم نے پتھر کے ایک برتن میں حیس (کھجور، ستو اور گھی کا آمیزہ) بھیجا، لوگوں کو دعوت دی گئی۔ کوئی تین سو کے قریب مہمان تھے۔ ایک ٹولی آتی تھی کھانا کھا کر نکل جاتی تھی یہاں تک کہ سب لوگوں نے کھانا کھا لیا۔ آپ نے دسترخوان اٹھانے کا حکم دیا۔ صرف تین مہمان بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں سیدہ زینب دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھیں رہیں۔ آپ باہر نکل گئے۔ لوٹ کر آئے تو وہ تین آدمی ابھی تک بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جب انھیں محسوس ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا وجود گراں گزر رہا ہے تو وہ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے پردہ گرا لیا اور اندر داخل ہوئے جبکہ میں حجرے میں بیٹھا ہوا تھا... پھر اس آیت کا نزول ہوا اللہ کے رسول باہر نکلے اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔''

امام رازی تفسیر کبیر میں کہتے ہیں کہ جب لوگوں کو رسالت مآب کے گھروں میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو ماعون (برتنے کی چیزیں) کے حصول میں دقت ہوتی تھی حالانکہ ان کا مانگنا ممنوع نہیں۔ تو حکم ہوا کہ گھر میں نہ گھسا کرو، بلکہ اوٹ کے پیچھے سے مانگ لیا کرو[6]۔

بے پروا عرب مسلمان کسی بات کا خیال کیے بغیر بے دھڑک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں گھس جایا کرتے تھے، جہاں آپ کی ازواج مطہرات تشریف رکھتی تھیں۔ منافق تو اسکینڈل بنانے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اولاً تو بلا اطلاع اور بلا اجازت پیغمبر کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش ہی نہ کرو اور اگر تمھیں دعوت میں بلایا جائے تو ان آداب کو پیش نظر رکھو جو آیت میں مذکور ہیں کیونکہ ان آداب کو نظر انداز کرنے سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھر جب تم ازواج مطہرات سے کچھ مانگنا چاہو تو تمھیں چاہیے کہ گھر میں

---

۵ ۳:۱۵۷۳۔

۶ ۲۴:۲۲۵

داخل ہوئے بغیر اوٹ کے پیچھے سے طلب کرو۔ یہ طریقہ تمھارے اور ان کی پاکیزگی کے لیے بہتر ہے۔

یہ آیت مبارکہ بلند و بالا آداب پر مشتمل ہے۔ گھر میں داخل ہونے کے آداب، ازواج مطہرات سے مخاطب ہونے کے آداب اور یہ ادب کہ بلا ضرورت بات نہ کی جائے۔

آیت میں مذکور دستور اس طرز عمل سے متعلق ہے جو انسان کو دوسروں کے گھروں کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے مطابق مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورتوں کی رہایش میں داخل ہو۔ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہے تو اسے چاہیے کہ پس دیوار کھڑے ہو کر اسے طلب کرے۔ اس بات کا پردے کی بحث سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ پردہ کو فقہ میں ستر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، نہ کہ حجاب کے نام سے۔ کسی فقیہ نے پردے کے لیے آیت حجاب سے دلیل نہیں پکڑی۔ اصل مقصد یہ ہے کہ مرد اور عورت تنہائی میں اکٹھے نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''کوئی مرد کسی عورت سے خلوت نہ کرے وگرنہ دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا۔'' عورت مرد سے تنہائی میں نہیں مل سکتی نہ چہرہ ننگا کر کے اور نہ چہرے پر کپڑا ڈال کر۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اندر چلا جائے اور وہ چہرہ ڈھانپ کر اس کے سامنے بیٹھ جائے۔ حجاب سے یہاں مراد پہناوا یا لباس نہیں، بلکہ مراد دروازے، دیوار یا کسی اور چیز کی اوٹ ہے۔

ایک اچھے معاشرے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عورت کا احترام کیا جائے۔ اس اعتبار سے ازواج مطہرات خاص احترام کی سزاوار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکم دیا گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے ان کو جیتے جی یا وفات کے بعد تکلیف ہو۔ اسی احترام کے پیش نظر آپ کی ازواج کو آپ کی وفات کے بعد شادی کی اجازت نہیں دی گئی۔

اہل تحقیق کا ان آیات کے بارے میں ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان آیات میں ازواج مطہرات کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ ان آیات میں امہات المومنین کے امتیازی حقوق کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان امتیازات میں سے ایک تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے نکاح حرام ہے۔ دوسرے ان کی جزا و سزا دگنی ہے۔ تیسرے ان کو طلاق دے کر دوسری عورت سے شادی کرنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔ چوتھے ان کے گھروں میں آیات کا نزول ہوتا ہے چنانچہ 'قرن فی بیوتکن' اور آیت حجاب بھی انھی امتیازات میں سے ہے۔ آیات کا آغاز یوں کیا گیا ہے: ''اے نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو' اور اختتام اس طرح ہوا ہے: ''اے نبی کے اہل بیت، تمھیں اللہ آلودگی سے پاک کرنا چاہتا ہے۔'' اللہ نے تطہیر کا ذمہ صرف ازواج مطہرات کے لیے کیا ہے، نہ کہ عام عورتوں کے لیے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سنن ابی داؤد (جلد سوم کتاب اللباس) میں ام سلمہ سے مروی ہے:

’’میں اور میمونہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتوم آ گئے۔ آپ نے فرمایا: اس سے پردہ کرو۔ ہم نے کہا: وہ تو اندھا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم تو اندھی نہیں۔ کیا تم اسے نہیں دیکھ رہی ہو۔‘‘

امام ابوداؤد کا قول ہے کہ یہ حکم نبی کریم کی بیویوں کے ساتھ خاص ہے۔ ابن قدامہ حنبلی المغنی (۷:۴۶۶) میں کہتے ہیں کہ اثرم کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا کہ کیا نبہان والی روایت (جو ام سلمہ سے مروی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے بارے میں ہے اور فاطمہ بنت قیس والی روایت (جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو ام شریک کے بجائے ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارنے کے لیے کہا تھا) عام عورتوں کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

امام زمخشری نے آیت نمبر ۳۵ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب یہ آیات ۲۸ تا ۳۴ ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئیں تو دوسری مسلمان عورتوں نے کہا کہ ہمارے بارے میں تو کچھ نازل نہیں ہوا تو آیت ۳۳ تا ۳۵ نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت سودہ کی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے جس میں حضرت عمر نے ان کے خروج پر اعتراض کیا تھا، فرماتے ہیں کہ حجاب کے بارے میں دوسری عورتوں کو چھوڑ کر امہات المومنین پر سختی کی گئی ہے[۷]۔ پھر حافظ صاحب قاضی عیاض کا قول نقل کرتے ہیں کہ حجاب امہات المومنین کے لیے خاص ہے... ان کا خیال ہے کہ امہات المومنین کو پردے میں بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ لیکن حافظ صاحب قاضی عیاض کے موقف کی تردید کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر حضرت سودہ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس مکتب فکر کے حامی دلیل کے طور پر فقہ کے اصول کو پیش کرتے ہیں کہ ایسے احکام جو مخصوص نوعیت اور کسی قید سے مقید ہوں، انھیں عام کرنا درست نہیں، مثلاً ازواج کی تعداد میں جو رخصت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے، اس میں کسی دوسرے کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس نقطۂ نظر کے مخالف کہتے ہیں کہ جن باتوں کا حکم اللہ کے پیغمبر کی بیویوں کو دیا گیا ہے، امت مسلمہ کی دوسری عورتیں بھی ان احکام میں ان کے تابع ہیں۔ وہ دلیل کی طور پر کہتے ہیں کہ آیت نمبر ۳۳ میں ازواج کو حکم دیا گیا ہے کہ تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہ حکم تو سب عورتوں پر لاگو ہوگا۔ یہ اعتراض بے وزن ہے، کیونکہ نماز، زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم متعدد دوسری آیات میں موجود

---

[۷] فتح الباری ۱۲: ۳۷۔

ہے، یہ حکم پہلی مرتبہ نہیں دیا گیا۔ یہاں یہ خاص حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ امہات المومنین کو زمانۂ جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے بجائے ان کی سمت سیدھی رکھنے کے لیے انھیں نماز، زکوٰۃ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نسخہ بتایا گیا ہے یعنی نمود و نمایش پر ان اعمال سے قابو پایا جا سکتا ہے وگرنہ وہ نماز پہلے بھی پڑھتی تھیں، زکوٰۃ بھی ادا کرتی تھیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں بھی کمی نہیں کرتی تھیں۔ یہاں پر ان اعمال کا خاص حکم ہے تاکہ اخلاقی عیوب پر قابو پا لیں اور لغزش سے بچی رہیں۔ ازواج مطہرات کو یہ احکام سیاسی اور اجتماعی مصلحتوں کی وجہ سے دیے گئے ہیں۔

سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے نبی، اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے جلباب اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں (یا ان میں سے کچھ نیچے کر لیا کریں) اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی۔''

(۵۹:۳۳)

اس آیۂ مبارکہ کو سمجھنے کے لیے دو الفاظ کی وضاحت ضروری ہے۔ جلباب اور ادناء۔ ۱۔ جلباب کے درست معنی کیا ہیں؟ ۲۔ ادناء سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی کیفیت کیا ہے؟

''مقاییس اللغہ'' میں احمد بن فارس کہتے ہیں کہ جلباب کے معنی قمیص کے ہیں اور عمرو ذی کلب کی بہن جندب کا شعر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے بھائی کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتی ہے:

تمشی النسور الیہ وھی لاھیة مشی العذاری علیھن جلابیب

''کرگس لاابالیانہ انداز میں اس کی طرف ایسے چل رہے ہیں جیسے دوشیزائیں جلباب پہنے چلتی ہیں۔''

کرگس کا سر اور چونچ ننگی ہوتی ہے اس پر پر نہیں ہوتے باقی بدن پر پر اتنے گھنے ہوتے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے انھوں نے قمیص پہنی ہوئی ہے۔

''المفردات'' میں امام راغب کا قول ہے کہ جلباب سے مراد قمیص یا اوڑھنی ہے۔ ابن سیدہ ''المخصص'' میں جلباب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس سے عورت اپنی پیٹھ اور سینہ ڈھانپتی ہے۔ فیروز ابادی ''القاموس المحیط'' میں لکھتے ہیں کہ جلباب عبارت ہے قمیص اور ایک بڑے اور کشادہ کپڑے سے جو لحاف سے کسی قدر چھوٹا یا چادر کی طرح کا پتلا لحاف ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے عورت اپنی پوشاک ڈھانپتی ہے یا پھر اوڑھنی سے عبارت ہے۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: ''جلباب اوڑھنی سے بڑا اور چادر (عبا) سے چھوٹا ایک لباس ہے جس سے عورت بدن ڈھانپتی ہے اور خمار سے اپنا سر اور سینہ ڈھانپتی ہے۔ پھر انھوں نے ایک قول نقل کیا ہے کہ وہ 'مقنعة' (اوڑھنی) کی مانند ہوتا ہے جس سے عورت اپنا سر، پیٹھ اور سینہ ڈھانپتی ہے۔ (لین) 'Lane' اپنی لغت کی مشہور کتاب 'Lexicon' میں کہتا ہے کہ یہ اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا ہوتا ہے جس سے عورت اپنا سر اور سینہ ڈھانپتی ہے۔

اب دیکھتے ہیں کہ جلباب کے بارے میں مفسرین کی کیا رائے ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ جلباب ایک کھلا کپڑا ہے جو اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا ہوتا ہے۔ عورت اسے سر پر لپیٹ لیتی ہے اور باقی کا حصہ سینے پر ڈال دیتی ہے۔ ''درمنثور'' میں ابن ابی حاتم کی روایت سے مشہور تابعی سعید بن جبیر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جلباب وہ چادر ہے جو اوڑھنی کے اوپر اوڑھی جاتی ہے۔ کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ نامحرم اسے دیکھے اور اس کی اوڑھنی کے اوپر چادر نہ ہو اور اس نے اسے سر اور سینے پر اچھی طرح ڈالا ہوا نہ ہو۔ ''تفسیر المراغی'' میں ہے کہ جلباب سے مراد وہ چادر ہے جسے عورت قمیص اور اوڑھنی سے اوپر پہنتی ہے[8]۔ مقصد ایسا لباس ہے جو اس کے جسم اور سر کو ڈھانپ لے اور سر، سینہ اور بازو جیسے مقام زینت کو ظاہر نہ کرے۔ سید قطب فی ظلال القرآن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان سے کہہ دو جب عورت گھر سے نکلے، وہ اپنے جسم، سر اور سینہ کو ڈھانپ لے۔

اہل لغت اور مفسرین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ جلباب کا اطلاق ہر سلے اور ان سلے وسیع کشادہ کپڑے پر ہوتا تھا، خواہ وہ کھلی قمیص ہو یا چادر۔ کھلی قمیص میں ہر قسم کا گاؤن، اوورکوٹ یا عبا شامل ہے جن کا گریبان کھلا ہوتا ہے۔ آج کل گاؤن یا اوورکوٹ اسکارف سے مل کر جلباب کا مقصد بدرجۂ اتم پورا کرتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جلباب مرد بھی پہنتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے صحابۂ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: 'هذا جلباب رسول الله لم يبل هذا أبلى عثمان سننه'' یہ رہی اللہ کے رسول کی قمیص جو ابھی بوسیدہ نہیں ہوئی، مگر عثمان نے ان کی سنت کو بوسیدہ کر دیا ہے۔'' لسان العرب میں حضرت علی کا قول نقل ہوا ہے کہ 'من أحبنا اهل البيت فليعدّ جلباب الفقر'' جو ہم اہل بیت سے محبت کرتا ہے، اسے چاہیے کہ فقر کی قمیص تیار کرے۔'' چنانچہ جلباب کھلے پیرہن، گاؤن یا اوورکوٹ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ آج کل سوڈانی اپنے ثوب کو جلابیہ کہتے ہیں۔ تصریحات بالا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جلباب کے معنی وہ چادریں بھی ہیں جو اوڑھنی سے بڑی اور ردا (چادر) سے چھوٹی ہوتی ہیں، یہ اوڑھنی کے اوپر پہنی جاتی ہیں اور سر، سینہ اور پیٹھ کو

8۔ ۸:۳۰۔

ڈھانپتی ہیں۔ سورۂ نور آیت ۶۰ کی تفسیر میں 'ثیاب' (کھلے کپڑے) سے مراد خمار (اوڑھنی) اور جلباب (چادر) لیے گئے ہیں یعنی سن رسید عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے سروں کو ننگا رکھیں۔ چہرے کو ڈھانپنا جلباب کے مقصد میں قطعی شامل نہیں۔

جلباب کے معنی میں جو اختلاف ہے، وہ لفظی اختلاف ہے، معنوی نہیں۔ ایسے اختلاف کو اصول تفسیر میں نوعیت کا اختلاف کہا جاتا ہے، اس سے مراد پیرہن لے لیں یا چادر لے لیں، معانی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر اہل لغت کی تصریحات کی روشنی میں جلباب کو صرف چادر کے معنی تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر اس سے چادر بھی مراد لے لی جائے تو بھی جلباب صرف بدن اور اطراف کو ڈھانپے گا۔ سر اور سینے کو خمار ڈھانپے گا جیسا کہ سورۂ نور میں بیان ہوا۔ کیونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کرتا ہے۔

زیر نظر آیت میں دوسری اہم تعبیر 'یدنین علیھن' ہے 'یدنین' کا صیغہ باب افعال کے مصدر 'ادناء' سے مضارع کا جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا ثلاثی مجرد 'دنا یدنو دنواً و دناوۃً' ہے جس کے بنیادی معنی قریب ہونا ہے۔ اس سے ثلاثی مزید 'ادنیٰ' اور 'دنّی' ہے جس کے معنی ہیں، اس نے قریب کیا۔ ''مقاییس اللغۃ'' میں احمد بن فارس بن زکریا (المتوفی ۳۹۵ھ) نے 'دنّی' کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معنی 'مقاربۃ' (قریب ہونا) کے ہیں اور 'الدنی' قریب آدمی کو کہا جاتا ہے۔ دنیا کو بھی قریب ہونے کی وجہ سے 'دنیا' کہا جاتا ہے اور 'دانیت بین الامرین' کے معنی ہیں: میں نے دو چیزوں کو باہم قریب کیا۔ اور حدیث میں ہے: 'اذا اکلتم فدنّوا' یعنی جب کھاؤ تو اپنے قریب سے کھاؤ۔ اور عربی محاورے میں کہا جاتا ہے: 'لقیتہ ادنی دنّی' یعنی میں اسے سب سے پہلے ملا۔ ''صحاح'' میں ہے: 'دنوت منہ و ادنیت غیری' یعنی میں اس کے قریب ہوا اور میں نے دوسرے کو قریب کیا۔ فیروز ابادی ''القاموس المحیط'' میں لکھتے ہیں: 'دنی' وہ قریب ہوا یہ 'ادنی' اور 'دنی' کی مانند ہے جس کے معنی ہیں کہ اس نے قریب کیا۔ امام راغب ''مفردات'' میں لکھتے ہیں کہ 'الدنو' کے معنی ہیں قریب ہونا 'ادنیت بین الامرین و ادنیت احدھما'، ''میں نے دو چیزوں کو باہم قریب کیا۔'' یا میں نے ان میں سے ایک کو قریب کیا۔ یہ معنی لکھنے کے بعد انھوں نے 'یدنین علیھن من جلابیبھن' کو بطور دلیل پیش کیا ہے یعنی اپنی چادریں قریب کر لیں یعنی پہن لیں۔ ''اساس البلاغۃ'' میں زمخشری کا قول ہے کہ 'ادنت المراۃ ثوبھا و دنتہ' کے معنی ہیں کہ عورت نے اپنا کشادہ کپڑا پہن لیا۔ شاہد کے طور پر انھوں نے عمرو بن ابی ربیعہ کا شعر نقل کیا ہے:

کأن ثوبا لما التقی الرکب تد نیہ تشف من قمر

''جب سوار آپس میں ملے تو جو کشادہ کپڑا محبوبہ نے پہن رکھا تھا، اس میں سے چاند صاف نظر آ رہا تھا۔''

Lane کی Lexicon میں ہے کہ 'دنّی' کے فعل کے ساتھ حروف جار (Preposition) من، الٰی، علی اور ل استعمال ہوں گے تو معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، بلکہ مطلب ہوگا: وہ قریب ہوا یا اس نے قریب کیا۔

اس بنا پر جلباب کو قریب کرنے کا مقصد اس کو پہننا ہے۔ جب کسی عورت سے کہا جاتا ہے کہ اپنے لباس کو قریب کرلو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے نہ چھوڑو، اسے سمیٹ کر ایک طرف نہ رکھو، اسے بے اثر اور بے خاصیت نہ جانو اور اپنے آپ کو اس سے ڈھانپ لو۔

ابن قتیبہ دینوری تیسری صدی ہجری کے معروف محقق، مفسر، محدث اور مورخ ہیں۔ اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''مشکل القرآن وغریبہ'' کی دوسری جلد کے صفحہ ۸۱ پر لکھتے ہیں 'یدنین علیھن من جلا بیبھن ای یلبسن الاردیة' یعنی اس سے مراد ہے اپنی چادریں اوڑھ لیں۔

نحو اور لغت کے امام کسائی نے کہا ہے کہ 'یدنین علیھن من جلا بیبھن' سے مراد ہے کہ اپنی چادروں کو اپنے گرد سمیٹ لیں کیونکہ 'ادناء' انضمام (سمیٹنے اور اکٹھا کرنے) کے معنوں میں آتا ہے۔

'جلا بیبھن' سے پہلے حرف جار ''من'' تبعیض (Splitting) کے معنوں میں ہے۔

''کشاف'' میں اس کی دو صورتوں کا ذکر ہے۔[9] ایک تو یہ کہ اپنے جلبابوں میں سے ایک جلباب۔ مقصد ہے کہ عورت اپنے یہاں پڑے ہوئے جلبابوں میں سے کوئی جلباب پہن لے۔ اس صورت میں 'ادنی' کے معنی پہننے کے ہوں گے۔ دوسری صورت کو بعد میں بیان کیا جائے گا۔

اگر 'ادناء' اپنے بنیادی معنوں یعنی قریب کرنا اور اوڑھنا کے لیے استعمال کیا جائے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں کسی قسم کے اشکال کی کوئی گنجایش نہیں رہتی۔

اب آیئے دوسرے معنی کی طرف، متاخرین اہل لغت جیسے ''المصباح المنیر'' اور ''المعجم الوسیط'' کے مصنفین نے اس کے معنی نیچے کرنے اور لٹکانے کے بھی لیے ہیں۔ مفسرین نے بھی اس کے معنی نیچا کرنے اور لٹکانے کے لیے ہیں۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ 'جلابیبھن' سے پہلے حرف جار کی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے جلباب کا کچھ حصہ نیچے کرلو۔ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ 'ادنانی' کے معنی ہیں کہ اس نے مجھے قریب کیا، مگر ضمناً اس کے معنی 'ارخاء' (لٹکانے) کے بھی آتے ہیں،[10] خصوصاً جب اس کے بعد حرف جار تعدیہ کے لیے استعمال ہوا ہو اور انھوں

۹؎ ۳:۲۷۴۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نے مشہور تابعی سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ 'یدنین' کے معنی ہیں، وہ لٹکا لیں۔

کیفیت ادناء

ذہن میں یہ بات رہے کہ 'ادناء' کے معنی لٹکانا اسی صورت میں ہوں گے جب جلباب کو چادر کے معنوں میں لیا جائے، نہ کہ قمیص، اوورکوٹ اور گاؤن کے معنوں میں۔

چادر کو کتنا نیچے کیا جائے، اس بارے میں اہل تحقیق میں اختلاف ہے۔

ایک رائے تو یہ ہے کہ جلباب کو اتنا نیچے کیا جائے کہ بدن کے وہ حصے چھپ جائیں جنھیں چھپانے کے لیے عرب معاشرے میں عام طور پر جلباب پہنا جاتا تھا۔ اس بات کی پہلے وضاحت ہو چکی ہے کہ جلباب پیشانی، پیشانی کے بال، کان اور کانوں کے بندے اور گردن سینہ اور اس کا ہار چھپانے کے لیے پہنا جاتا تھا۔

امام طبری نے ''جامع البیان'' میں حضرت ابن عباس سے قتادہ کی روایت بیان کی ہے کہ جلباب کو اپنی پیشانی پر باندھ لیا جائے۔[۱۱] لیکن مجاہد کا قول ہے کہ اپنے ابروؤں پر باندھ لیا جائے۔ ابن نجیح نے مجاہد بن جبر المکی سے اثر روایت کیا ہے کہ ادناء سے مراد پیشانی پر باندھنا ہے، مجاہد نے سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۱ کی جو تفسیر کی ہے، وہ بھی اسی رائے کی تائید کرتی ہے۔[۱۲] ابن عباس نے ادناء کی تفسیر کی ہے: 'تدلی الجلباب الی وجھھا ولا تضرب به' چادر چہرے تک نیچے کی جائے گی، مگر اس کو چھپایا نہیں جائے گا۔ ''درالمنثور'' میں سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ ادناء کا طریقہ یہ ہے کہ سر اور سینے پر جمایا جائے۔[۱۳]

جمہور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ مجاہد اور ان کے ہم خیال تابعین کی رائے ہے کہ ادناء کو ان مقامات زینت پر نیچا کرو جن کا اظہار جائز نہیں یعنی سورۂ نور کی آیت 'ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن' سورۂ احزاب کی اس آیت کی تفسیر ہے۔ چونکہ سورۂ نور سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی، اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس پر عمل کرنے کے علاوہ سورۂ نور میں دیے گئے حکم کی مکمل پابندی کی جائے گی۔ اگر ادناء سے مراد چہرہ چھپانا لیا جائے تو پھر سورۂ نور

۱۰؎ ۱۱:۸۸۔

۱۱؎ ۱۲:۴۹۔

۱۲؎ تفسیر مجاہد/۴۴۰ مجمع البحوث الاسلامیۃ اسلام آباد۔

۱۳؎ ۵:۲۲۲۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے احکام معاذ اللہ بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔ سورۂ احزاب کی آیت ان عورتوں کے لیے ہے جو آوارہ لوگوں کی مزاحمت سے دوچار ہوں، جبکہ سورۂ نور کی آیت ۳۱ ایک کلی اور دائمی حکم کی حیثیت رکھتی ہے، خواہ عورتوں کے لیے کوئی مزاحمت ہو یا نہ ہو۔ زیرنظر آیت میں آنے والا حکم اس دستور کی طرح ہے جو سورۂ احزاب کی آیت ۳۲ میں وارد ہوا ہے، اس آیت میں انداز سخن کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو وقار اور عصمت کی آئینہ دار ہے جبکہ زیر بحث آیت آمد و رفت میں وقار کے دستور سے متعلق ہے، اس آیت میں پردے کی حدود بیان نہیں ہوئیں اور نہ ہی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرے کا چھپانا واجب ہے۔ پردے کی واجبی حدود کا تعین سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ کے کسی امام نے وجوب ستر کے دلائل میں اس آیت سے استنباط نہیں کیا۔ زیرنظر آیت کا اسلوب بھی اسی رائے کی تائید کرتا ہے۔ جس ادناء کا حکم دیا گیا ہے، وہ مثبت صیغے میں ہے اور مثبت کا صیغہ عام حکم کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر انداز تخاطب نفی یا نہی کے صیغے سے ہوتا تو پھر اسے خاص ادناء یعنی چہرے کو چھپانے پر محمول کیا جا سکتا تھا۔

اس رائے کے مخالفین ادناء سے مراد یہ لیتے ہیں کہ ایک آنکھ کے سوا سارا چہرہ چھپایا جائے۔ اس رائے کی تائید میں ایک اثر پیش کیا جاتا ہے جو یوں ہے:

''ابو صالح عبداللہ بن صالح نے معاویہ بن صالح سے اس نے علی بن ابی طلحہ سے اس نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ نے مسلمان عورت کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی حاجت کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے اپنے چہرے کو جلباب سے ڈھانپ لیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں''

اس اثر پر ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب 'جلباب المراۃ المسلمۃ' (حاشیہ صفحہ ۸۸) پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''اس کی روایت ابن عباس سے درست نہیں، کیونکہ امام طبری نے اسے علی بن ابی طلحہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس بات کے علاوہ کہ ائمہ حدیث نے اس پر تنقید کی ہے اور اس کے ثقہ ہونے کے بارے میں کلام کیا ہے، اس کا سماع ابن عباس سے ثابت نہیں، بلکہ انھوں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا تک نہیں، اس کا پہلا راوی ابو صالح عبداللہ بن صالح بھی ضعیف ہے۔ متن کے اعتبار سے بھی یہ اثر معلول ہے کیونکہ امام طبری نے بعینہٖ اسی سند سے سورۂ نور کی آیت 'الا ما ظھر منھا' کی تفسیر کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ ابن عباس چہرے کو، آنکھوں کے سرمے کو، ہتھیلیوں کی مہندی اور انگوٹھی کو زینت ظاہرہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہ اثر سورۂ نور کی آیت ۳۰ سے متصادم ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لغوی لحاظ سے 'من جلابیبھن ' کے معنی ہیں جلباب کا تھوڑا سا حصہ، جس سے پیشانی اور پیشانی کے بال، کان اور اس کی بالیاں چھپ جائیں اس سے پورے چہرے کا چھپانا لازم نہیں آتا۔

اختلاف رائے کا سبب

ابن العربی نے ''احکام القرآن'' میں لکھا ہے کہ رائے میں اختلاف کا سبب آیت کا یہ ٹکڑا ہے 'ذلك ادنی ان یعرفن'، ''یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں''[14]۔ جن لوگوں نے ادناء سے مراد چہرے کو چھپانا لیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ چہرے کو دیکھ کر پتا چلے گا کہ وہ آزاد عورت ہے یا لونڈی۔ ان کی غلط فہمی کی بنیاد آیت کی شان نزول کے بارے میں سدی کی روایت ہے جس کے مطابق عورتیں جب قضاے حاجت کے لیے نکلتی تھیں تو بدقماش لوگ ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے اور یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم نے تو لونڈی سمجھ کر چھیڑا ہے، چنانچہ بعض مفسرین 'نساء المومنین ' سے مراد آزاد عورتیں لیتے ہیں اور کنیزوں کو ان میں شامل نہیں کرتے، یہ سوچ غیر قرآنی ہے جیسا کہ تفسیر ''البحر المحیط'' (۷:۲۵) میں ہے کہ 'نساء المومنین' میں آزاد اور کنیزیں سب شامل ہیں، کیونکہ لونڈیوں سے چھیڑ چھاڑ کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کام کاج کے لیے باہر نکلتی ہیں۔ ذہن نہیں مانتا کہ قرآن صرف آزاد عورتوں کو موردعنایت قرار دے اور کنیزوں کی آزار سے چشم پوشی کرے، حالانکہ اللہ کا دین ایک ہے، فطرت ایک ہے پھر آزاد اور لونڈی میں فرق کیوں؟ آیت کے اس ٹکڑے کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جب عورت باوقار لباس پہن کر نکلے گی تو آوارہ منش لوگوں کو ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ ہوگی۔ یہ ایک امتیازی نشان ہوگا جس سے پہچان ہو جائے گی کہ وہ باعصمت عورتیں ہیں آوارہ نہیں۔ آیت کی شان نزول کے بارے میں درج ذیل آیات اسی تفسیر کی تائید کرتی ہیں۔

۱۔ امام طبری اپنی تفسیر میں روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ کی بیبیاں اور دوسری عورتیں قضاے حاجت کے لیے باہر نکلتی تھیں۔ یہ لوگ چھیڑ چھاڑ کرنے کے لیے راستوں پر بیٹھ جاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی[15]۔

۲۔ ''زاد المسیر'' میں روایت ہے کہ مدینہ کے کچھ لوگ عورتوں کو دیکھنے کے لیے راستوں میں بیٹھ جاتے۔ انھیں چھیڑتے اور ان کا پیچھا کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ان روایات میں آزاد عورتوں اور لونڈیوں کی کوئی تخصیص

۱۴؎ ۳:۱۵۸۶۔

۱۵؎ ۱۲:۴۹۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نہیں[16]۔

ایک اور لطیف نکتہ یہ ہے کہ ادنیٰ کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اوباشوں کی دل آزاری سے بچنے کا صرف یہی طریقہ نہیں، یہ تو ادنیٰ سی حفاظتی تدبیر ہے جس سے پاک باز عورتوں کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ صرف اس لباس کی وجہ سے وہ فاسقوں کی زبان سے محفوظ نہیں رہ سکتیں، یہ تو کمال کی ایک علامت ہے کہ اصل کمال یہ ہے کہ عورت کے اندر تقویٰ کا مانع (deterrent) ہو۔

مختصر یہ کہ زیرنظر آیت سے چہرے کا ڈھانپنا نہ منطوق کے اعتبار سے اور نہ مفہوم کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔ جلباب کی غرض انھی مقامات کو ڈھانپنا ہے جس کی تفصیل سورۂ نور میں ہے، کیونکہ سورۂ نور کا حکم مستقل حکم ہے۔

سورۂ نور کی آیت ۳۰ اور ۳۱ میں پردے کی واجبی حدود کو متعین کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کی کوئی دوسری آیت ان حدود کا تعین نہیں کرتی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اللہ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو کھلی رہتی ہے اور چاہیے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے...'' (۳۳: ۳۰، ۳۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شان نزول

امام سیوطی نے ''الدر المنثور'' میں روایت کیا ہے ایک دن مدینہ کے گرم موسم میں ایک خوب صورت نوجوان عورت ایک راستہ پر اس طرح چل رہی تھی کہ جاہلی رواج کے مطابق دوپٹہ گردن کے پیچھے لٹک رہا تھا۔ اس کا گریبان اور گردن کھلی تھی۔ ایک صحابی سامنے سے آرہے تھے، وہ اس خوب صورت عورت کو دیکھتے ہی رہ گئے اور بے خبری میں آگے چلتے گئے یہاں تک کے دیوار سے باہر نکلی ہوئی کسی چیز سے ان کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ وہ اسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی[17]۔ ہوسکتا ہے کہ آیۂ مبارکہ پہلے نازل ہوئی ہو اور اس واقعہ پر چسپاں کردی گئی ہو۔ بہرکیف اس روایت سے اتنا تو واضح

---

[16] ۶: ۴۲۳۔

[17] ۵: ۴۰۔

ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں اپنے سروں کو اوڑھنیوں سے ڈھانپ کر ان کو پیٹھ پر لٹکا لیتی تھیں جس سے ان کے کان، گردن اور سینہ کا اوپر والا حصہ بے پردہ ہو جاتا تھا۔

غض بصر

شرم گاہ کی حفاظت سے پہلے نظریں نیچی کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ نگاہیں دل کی رہبر ہوتی ہیں، اس لیے انسان زیادہ ٹھوکر انھی کی وجہ سے کھاتا ہے۔ امام قرطبی کے قول کے مطابق نگاہیں دل کا مین گیٹ ہوتی ہیں۔ اسی لیے امام غزالی کا قول ہے کہ جو نگاہیں نیچی رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا، وہ زنا سے بچنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔

امام راغب ''مفردات'' میں لکھتے ہیں کہ 'غض' کے معنی کمی کے ہیں، خواہ یہ کمی نظر میں ہو یا آواز میں یا برتن میں، کچھ کم کرنے کی صورت میں مثال کے طور پر انھوں نے یہی آیت پیش کی ہے۔ عربی زبان میں دو لفظ 'غمض' اور 'غض' آنکھ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ پلکوں کو ایک دوسرے پر سلا دینا 'غمض' کہلاتا ہے اور اس سے ترک نگاہ کا مفہوم نکلتا ہے، جبکہ نظر کو کم کرنا 'غض' کہلاتا ہے جس سے نگاہ کو محدود کرنے یا بچانے کا مفہوم نکلتا ہے۔

جب انسان آنکھیں کھول کر دنیا میں رہے گا تو سب چیزوں پر اس کی نظر پڑے گی یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کو اور کوئی عورت کسی مرد کو نہ دیکھے۔ اسی لیے شارع علیہ السلام نے حضرت علی سے فرمایا: ''اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا، پہلی نگاہ تو تیری ہے (یعنی فطری ہے) دوسری نگاہ تیری نہیں (یعنی غیر فطری ہے)۔'' اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں روایت کیا گیا ہے۔ جس چیز سے منع کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کی اچانک نگاہ پڑ گئی تو اس کے بعد مقام حسن پر آپ نے دوبارہ نظر دوڑائی اور گھورتے ہی چلے گئے۔ یعنی ایسا دیکھنا جس کی نہ ضرورت ہو اور نہ ہی اس کا تمدنی فائدہ ہو اور جس میں شہوانی جذبات کو تحریک دینے کے اسباب موجود ہوں۔

نگاہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو اس لیے دیکھتا ہے کہ اس سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ دیکھنا گفتگو کا لازمہ ہے، اس نگاہ کو علماے اصول کی اصطلاح میں عمومی نگاہ کہتے ہیں۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ دوسری نگاہ کسی شخص کا سراپا جانچنے کے لیے ہوتی ہے، اس وقت پوری توجہ سے پورے وجود کا بھرپور نگاہ سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ اہل اصول کی اصطلاح میں اسے خصوصی نگاہ کہا جاتا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

اس آیت کا مطالعہ دو باتوں پر دلالت کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ عورت یا مرد کے اعضا میں کوئی چیز کھلی ہے جس پر نگاہ پڑ سکتی ہے۔ اس لیے مرد اور عورت، دونوں کو نظریں بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ کھلی چیز چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اور کون سی ہو سکتی ہے؟ اگر چہرہ چھپا ہوا ہو تو پھر نظریں نیچی کرنے یا بچانے کا حکم بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ آیت چہرہ کھلا رکھنے کے لیے قطعی نص کا درجہ رکھتی ہے۔ چہرے سے ہٹ کر دوسرے مقامات پر نگاہ ڈالنا غض بصر کے ساتھ بھی ناجائز ہے، دوسرے اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس حکم کا تعلق ان مقامات سے ہے جہاں غیر مردوں اور غیر عورتوں کا سامنا ہوتا ہے جیسے راستہ اور بازار۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور مسند احمد نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''راستے میں نہ بیٹھا کرو اور اگر تمھیں بیٹھنا ہی پڑے تو راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نگاہیں نیچی کرنا۔'' شیخ محمد غزالی نے 'السنة النبوية بين الحديث و الفقه' میں لکھا ہے کہ قاضی عیاض اور امام شوکانی نے اپنے ہم عصر علما کی رائے نقل کی ہے کہ عورت، راستہ چلتے وقت اپنا چہرہ نہ ڈھانپے، بلکہ مردوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ جنسی لذت جائز طریقے سے گھر کے اندر محدود ہو اور باہر کی فضا صاف ستھری رہے۔ قرآنی نص عفت وحشمت کے سلسلہ میں مرد اور عورت کو برابر کا حکم دیتی ہے، بلکہ پہلے مرد کو حکم دیتی ہے۔ ہماری عادت سی بن گئی ہے کہ صرف عورت کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس بارے میں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے۔

ترک نظر اور پاک دامنی کے دو فریضے جو مردوں کے لیے بیان ہوئے ہیں، عورتوں کے لیے بھی انھی الفاظ کے ساتھ واجب العمل ہیں۔ اس قسم کے احکامات نوع بشر کی بہتری کے لیے نافذ ہوئے ہیں۔ اسلامی قوانین مردوں کے امتیاز کی بنیاد پر استوار نہیں ہوئے ہیں۔ وگرنہ یہ تمام واجبات عورت کے لیے ہونے چاہییں تھے اور مرد ان سے بری الذمہ ہوتے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پس منظر

تفسیر کشاف میں ہے کہ عرب عورتیں عام طور پر ایسے کرتے پہنا کرتی تھیں جن کے گریبان کھلے ہوا کرتے تھے جن میں سے ان کی گردنیں اور سینہ نمایاں ہوتا تھا جو کپڑا وہ دوپٹے کے طور پر اوڑھتی تھیں، وہ بھی سر کے پیچھے سے کاندھوں پر اس طرح ڈالا جاتا تھا کہ اس سے کان، سینہ اور گردن سب کے سب کھلے رہتے تھے یہ آیت حکم دیتی ہے کہ وہ سر پر اوڑھے ہوئے اسی دوپٹے کے لٹکے ہوئے دونوں حصوں کو اپنے سینے اور گریبان پر اس طرح ڈال لیں کہ بدن کے مذکورہ حصے اچھی طرح چھپ جائیں۔

'لا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها' ''وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔''

زینت عبارت ہے ان چیزوں سے جن سے عورت اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے۔ زینت کی دوقسمیں ہیں: ظاہری زینت اور مخفی زینت۔ ظاہری زینت وہ ہے جو عادتاً اور طبعاً ظاہر ہو جاتی ہے اور اسے چھپانے کے لیے تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کا چھپانا واجب نہیں، جبکہ مخفی زینت کا چھپانا واجب ہے۔ ظاہری زینت میں سرمہ، مہندی، انگوٹھی اور چھلا وغیرہ شامل ہیں جن کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، کنگن، بازوبند، گلوبند، کمربند اور بالیاں مخفی زینتیں ہیں جن کو صرف انھی لوگوں کے سامنے آشکار ہونا چاہیے جنھیں آیت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جن زینتوں کا ظاہر کرنا جائز ہے، ان مقامات زینت کا بھی ظاہر کرنا روا ہے اور جن زینتوں کو چھپانا واجب ہے، ان مقامات کو بھی چھپانا واجب ہے۔

آیت کے اس ٹکڑے کے بارے میں تین اقوال ہیں: ایک قول تو یہ ہے کہ ظاہری زینتوں سے مراد سرمہ، مہندی اور انگوٹھی ہیں۔ چنانچہ اس سے مراد وہ مقامات زینت بھی ہیں جن کو ان زینتوں سے سجایا جاتا ہے مثلاً چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ، یہ قول ابن عباس کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آشکار زینت سے مراد صرف چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ ہیں۔ یہ قول عبداللہ بن عمر اور تابعی ضحاک اور عطاء کا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آشکار زینت سے مراد لباس (اوپر والا) ہے۔ پاؤں کی جھانج، بالیاں اور چوڑیاں مخفی زینت ہے۔ یہ قول عبداللہ بن مسعود کا ہے۔

پہلے دونوں اقوال کا مفہوم تھوڑے فرق کے ساتھ ایک جیسا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ظاہری زینت اور اس کے مقامات کو چھپانا واجب نہیں سمجھتے، جبکہ عبداللہ بن عمر کے قول کے مطابق صرف ظاہری مقامات زینت کو زینت کے بغیر چھپانا واجب نہیں۔ دونوں اقوال کے مطابق چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ کھلے رہنے چاہییں۔ صحابہ میں حضرت عائشہ نے اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، مجاہد، مسور بن مخرمہ، عبدالرحمان بن زید، عکرمہ، جابر بن زید، عطاء بن ابی ریاح اور ضحاک نے ان دونوں میں سے کسی ایک قول کی تائید کی ہے۔

تیسرے قول کی سند معلول ہے۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ابواسحاق سبیعی نے ابوالاحوص سے روایت کیا ہے۔ اس میں ابواسحاق سبیعی، مختلط اور مدلّس ہے۔ اس کے علاوہ روایت میں عنعنہ ہے (دیکھیے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طبقات المدلسین۔ ص:۴۰) یہی وجہ ہے کہ اسے کسی صحابی نے قبول نہیں کیا 'الا ما ظھر منھا' سے مراد بالائی لباس لینا قرآن حکیم کی بلاغت کے منافی ہے۔ اس آیت میں 'زینتھن' کا لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ علم بیان میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسم معرفہ کا ذکر کر کے جب اسے دہرایا جائے تو مراد پہلے والا اسم معرفہ ہوتا ہے۔ اگر پہلے 'زینتھن' سے مراد بالائی کپڑے لیے جائیں تو مراد یہ ہوگی کہ محارم کے لیے بھی سوائے بالائی کپڑوں کے کوئی اور زینت دیکھنا حرام ہے۔

اس حکم میں ہر دیکھنے والے کے لیے نہی مطلق ہے۔ اس اطلاق سے دو باتیں مستثنیٰ ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق زینت کے اطلاق سے ہے۔ پہلے استثنا میں اس زینت کی تخصیص ہے جس کا دکھانا جائز ہے۔ دوسرے کا تعلق ناظرین کے اطلاق سے ہے جن کے سامنے زینتوں میں سے کچھ کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ چنانچہ ان ناظرین میں محارم کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ پہلے استثنا نے زینت کی اس مقدار کو متعین کیا ہے جس کا عام افراد پر آشکار ہونا جائز ہے اور دوسرے استثنا میں چند معین افراد کے نام لیے ہیں جن پر مخفی زینتوں کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ پہلے استثنا میں بدن کے مقامات زینت کے لحاظ سے دائرہ محدود ہے اور افراد کے اعتبار سے لامحدود۔ دوسرا استثنا اس کے برعکس ہے یہی آیت کے ظاہری معنی ہیں اور کسی واضح دلیل کے بغیر ظاہری معنوں کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ بنیادی طور پر ابن مسعود کی طرف منسوب نظریہ قابل توجہ نہیں۔ خود بخود آشکار ہونے والی زینت سے مراد اس نظریے کے مطابق اوپر والا لباس ہوگا، کیونکہ نیچے پہنا جانے والا لباس دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس صورت میں اس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا کہ عورتیں اپنی زینت کو آشکار نہ کریں، مگر وہ لباس جو اوپر پہنا جا رہا ہے۔ اوپر پہنا جانے والا لباس تو چھپایا نہیں جا سکتا کہ اس سے استثنا کیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں وہ تمام چیزیں جو ابن عباس اور ابن عمر کے اقوال میں مذکور ہیں یہی وہ زینتیں ہیں جن کو چھپانے سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ لباس کو اس وقت زینت شمار کیا جا سکتا ہے جب بدن کا کوئی حصہ نمایاں ہو مثلاً پردے سے بے نیاز عورت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا لباس اس کی زینت ہے، لیکن اگر عورت پورا بدن ایک ہی لباس (جلباب) سے ڈھانپ لے تو ہم اس لباس کو زینت نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ معروف حنفی فقیہ ابوبکر جصاص احکام القرآن[18] میں فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کا قول کہ اس سے مراد ظاہری لباس ہے، بے معنی ہے کیونکہ زینت سے مراد وہ عضو ہے جسے مزین کیا گیا ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام زیورات کا مردوں کو دکھانا جائز ہے جو عورت نے نہ پہنے ہوں پس معلوم ہوا کہ زینت سے مراد عضو زینت ہے اسے کپڑوں سے تعبیر کرنا بے معنی ہے، کیونکہ بدن کے علاوہ کپڑوں کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ انھیں نہ پہننے کی صورت میں دیکھ رہے ہوں۔ عبداللہ بن مسعود کا اپنا قول ہے کہ 'نعم ترجمان القرآن عبداللہ ابن عباس'، ''قرآن کے بہترین ترجمان عبداللہ بن عباس ہیں'' یہی وجہ ہے کہ

---

[18] ۲۱۶:۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قدیم وجدید مفسرین نے اسی رائے کی تائید کی ہے جو ابن عباس اور ابن عمر کے اقوال میں ظاہر کی گئی ہے۔

چہرے کو کھلا رکھنے کی حکمت

امام طبری اپنی تفسیر میں 'الا ما ظھر منھا' کی تفسیر میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ بہترین قول یہ ہے کہ

''اس سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ اس میں سرمہ، مہندی اور انگوٹھی شامل ہیں۔ یہ بہترین قول اس لیے ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ہر نمازی عورت نماز کے دوران میں اپنا سر ڈھانپ لے۔ اپنا چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھے اور باقی سارا بدن ڈھانپ لے۔ ہاں، ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے لیے نصف بازو کھلا رکھنا جائز قرار دیا ہے (یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے) جب اس بات پر اجماع ہے تو معلوم ہوا کہ عورت اس حصہ کو کھلا رکھ سکتی ہے جو ستر نہیں، کیونکہ جو ستر نہیں اس کا ظاہر کرنا بھی حرام نہیں۔ مرد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کے قول 'الا ما ظھر منھا' سے بھی یہی مراد ہے، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو ظاہر رہتی ہے۔ یعنی بدن کے وہ حصے جو نماز میں چھپے رہتے ہیں، نامحرم کے سامنے بھی ان کو چھپانا ضروری ہے اور جن حصوں کو نماز میں کھلا رکھنا جائز ہے، نامحرم کے سامنے ان کو ڈھانپنا واجب نہیں۔ درون نماز اور بیرون نماز ستر میں کوئی فرق نہیں۔''
(۱۱۹:۱۰)

علامہ زمخشری نے کشاف میں اس استثنا کو زیادہ حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''عورت کے لیے چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا دشوار ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چیزیں اٹھائے اور اپنا چہرہ کھلا رکھے خاص طور پر جہاں اس نے مقدمات میں گواہی دینی ہو یا شادی بیاہ کے موقع پر اسے گلی کوچوں میں راستہ طے کرنا پڑے اور چلتے ہوئے خواہ مخواہ اس کے پاؤں دکھائی دیں خاص طور پر ان غریب عورتوں کے پاؤں نہیں چھپ سکتے جن کے پاس موزے اور کبھی کبھی جوتا بھی نہیں ہوتا۔ یہ ہے 'الا ما ظھر منھا' کا مفہوم اس کے معنی یہ ہیں: مگر وہ جو عادتاً اور طبعاً ظاہر ہو جاتی ہیں۔'' (۶۱:۳)

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں قفال کی رائے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''چونکہ معاشرت کی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ کھلے رہیں اور شریعت اسلام ایک آسان شریعت ہے، اس لیے چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا گیا۔''
(۲۰۵:۲۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ابن العربی ''احکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''درست بات یہ ہے کہ ہر لحاظ سے اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں، کیونکہ یہی عادتاً اور عبادتاً کھلے رہتے ہیں۔ حالت احرام میں بھی اور نماز میں بھی اور یہی استثنا کا سبب ہے۔'' (۳:۱۳۶۹)

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

''استثنا کا سبب وہ حرکت ہے جس کے بغیر چارہ نہیں یا اس کا سبب اصلاح احوال ہے جس کے بغیر عورت اپنے کام درست طور پر انجام نہیں دے سکتی۔ اس لیے عورت کو اس میں چھوٹ دی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسی بات کو استثنا کا سبب قرار دیا جائے۔'' (۱۲:۲۲۶)

طنطاوی جوھری اپنی تفسیر ''الجواھر'' میں اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ:

''سوائے اس کے کہ جن چیزوں کو لیتے دیتے وقت ظاہر ہونا پڑے۔ مثلاً کپڑے، انگوٹھی، سرمہ، ہاتھ کی مہندی، چہرہ اور پاؤں، کیونکہ ان چیزوں کو چھپانا بہت بڑی رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔ عورت چیز کو ہاتھ سے ہی پکڑے گی پھر شہادت، علاج معالجے اور تجارتی لین دین میں تو اسے چہرہ کھلا رکھنا پڑے گا اور یہ سب اس وقت تک ہے جب مرد کو فتنہ کا ڈر نہ ہو گر نہ وہ اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔''

ان بالغ نظر مفسرین نے پہلے استثنا کے دو سبب بیان کیے ہیں: ایک عادت کے اعتبار سے اور دوسرا عبادت کے اعتبار سے۔ اس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے جو ہمارے مذہبی پیشوا لوگوں کے ذہن میں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ''حجاب'' اور ''ستر'' میں فرق ہے، حالانکہ درون نماز اور بیرون نماز ستر میں قطعی کوئی فرق نہیں۔

عادتاً چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھنا پڑتا ہے اور انھیں چھپانے کے لیے تکلف کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر عورت معاشرے میں انسانی حیثیت سے سرگرم عمل نہیں رہ سکتی۔ آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ کر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بھاری اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کو اشغال زندگی میں مل جل کر جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ بہت ہی کم تعداد ان لوگوں کی ہے جو معاش کے کاروبار میں مرد اور عورت کا حصہ لیے بغیر گزارہ کر سکتے ہیں۔ غربت کی ماری عورت کو گھر سے باہر نکل کر تلاش معاش میں سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔ شہروں میں وہ گھروں میں جھاڑو پوچا لگاتی ہے، سڑک پر روڑی کوٹتی ہے، سر پر اینٹیں رکھ کر تعمیر کے کام میں حصہ لیتی ہے، بھٹوں پر اینٹیں تیار کرتی ہے، دیہات میں وہ مردوں کے شانہ بشانہ ابتداے آفرینش سے کام کر رہی ہے اور کام کرتی رہے گی۔ سر پر گھاس پھونس کا گٹھا اٹھاتی ہے۔ دور دراز سے سر پر گھڑے رکھ کر پانی لاتی ہے۔ چہرے اور ہاتھ کھولے بغیر وہ یہ کام کیسے کر سکتی ہے؟ گاؤں کی معیشت کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ مرد اور عورت مل جل کر کام کریں۔ عہد نبوت میں اور اس کے بعد بھی ایسا ہی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہوتا رہا ہے۔اس سلسلہ میں ’’طبقات ابن سعد‘‘ کی آٹھویں جلد اور ’’اسد الغابۃ‘‘ اور ’’الاصابۃ‘‘ کی آخری جلدوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔امام ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب ’جلباب المراۃ المسلمۃ ‘میں صفحہ ۶۰ سے لے کر صفحہ ۷۲ تک ۱۳ مستند احادیث پیش کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ عہد نبوت میں صحابیات کا چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوتے تھے اور ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ سب احادیث پردے کے وجوب کے بعد کی ہیں۔اس کے علاوہ اس کتاب کے صفحہ ۹۶ سے لے کر صفحہ ۱۰۳ تک ۱۶ آثار پیش کیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوت کے بعد بھی عورتیں چہرہ ڈھانپے بغیر مختلف نوعیت کے فرائض سرانجام دیتی رہی ہیں۔حال ہی میں مصر کے ایک محقق عمر رضا کحالہ نے ’أعلام النساء‘ کے نام سے ایک کتاب پانچ جلدوں میں لکھی ہے۔اس کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں ہر زمانے میں سیاسی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں کھلے چہرے کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی ہیں یا کم از کم مولانا سعید احمد انصاری کی کتاب ’’سیرت صحابیات‘‘ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے جس میں مصنف نے صحابیات کے مذہبی، سیاسی، علمی اور عملی کارناموں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

دور حاضر میں جس مسلمان ملک میں عورتیں احتجاج کے لیے نکلتی ہیں، وہ کھلے چہرے کے ساتھ نکلتی ہیں خواہ وہ ملک ایران ہو، مصر ہو یا ترکی ہو۔ بڑھتے ہوئے وقت کے تقاضوں نے ہمارے مذہبی رہنماؤں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ شہر میں بسنے والی خواتین کی دونوں آنکھوں کو کھولنے کی اجازت دے دیں حالانکہ جس ضعیف اثر کے سہارے وہ جمہور علما کی مخالفت کرتے تھے، اس میں ہمیں صرف ایک آنکھ کو کھلا رکھنے کا حکم ہے۔اور وہ دن دور نہیں جب بڑھتے ہوئے وقت کا تقاضا انھیں پورا چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت پر مجبور کر دے گا، کیونکہ پورے چہرے میں حسین ترین بولنے والی چیز آنکھیں ہی تو ہوتی ہیں۔آج سے کچھ برس اوپر اسمبلیوں جیسے مخلوط اجتماعات سے خطاب کرنا غیر اسلامی سمجھا جاتا تھا، مگر آج متحدہ مجلس کے علما نہ صرف اسمبلیوں میں خطاب کرتے ہیں، بلکہ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے ان کو سڑکوں پر بھی گھسیٹ لاتے ہیں:

به بیں تفاوت راہ است از کجا تا به کجا

چنانچہ قرآن حکیم کا منشا بھی یہی ہے کہ ان اعضا کو کھلا چھوڑا جائے جن کو ضروریات انسانی کے زیر اثر عادتاً کھلا چھوڑا جاتا ہے اور اس کے علاوہ مخفی زینت کے مقامات کو چھپا کر رکھا جائے۔

عبادتاً یعنی جس طرح نماز اور حج میں چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھا جاتا ہے، عام حالت میں بھی اسے کھلا رکھا جائے گا۔ یہ کہنا بعید از عقل ہے کہ حالت احرام کے علاوہ چہرہ کھلا رکھنا حرام ہے۔مناسک حج وعمرہ کی ادائیگی میں عورت

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مردوں کے انبوہ کثیر میں گھری ہوتی ہے۔ اگر عورت کے لیے چہرہ چھپانا واجب ہوتا تو اس موقع پر اس کی رعایت ضروری ہوتی۔ عورت سے یہ نہیں کہا گیا کہ وہ اپنا سر کھلا رکھے، بلکہ صرف چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے۔ اگر شارع علیہ السلام حالت احرام میں پردے سے صرف نظر کرنا چاہتے تو ممکن ہے کہ وہ عورت کے لیے بھی سر کی برہنگی لازم قرار دیتے۔ فقہا میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ شارع علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ حالت احرام میں پردے سے متعلق استثنا کو مدنظر رکھا جائے۔ بہت سے مقامات پر جہاں پردے یا نگاہ کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں گفتگو ہے سائلین اور فقہا کے درمیان صرف بالوں کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے، چہرے کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شارع نے حج اور نماز میں چہرہ کھلا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ عام حالات میں چہرہ ڈھانپا جائے۔ یہ طرز استدلال اس لیے غلط ہے کہ اللہ نے حج کے دوران میں مردوں کو سر کھلا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں ان کے لیے سر ڈھانپنا واجب ہے؟ عورت کے جو اعضا عادتاً کھلے رہتے ہیں، عبادت میں بھی وہی کھلے رہیں گے۔ اس سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے جو ہمارے مذہبی پیشوا یہ کہہ کر ڈالتے ہیں کہ حجاب اور ہے اور ستر اور۔

مذکورہ بالا مفسرین کے علاوہ حافظ ابن کثیر، صاحب روح المعانی، صاحب البحر المحیط، صاحب التسہیل اور دور حاضر میں صاحب تفسیر المراغی، سید قطب شہید، شیخ عبد الحمید کشک اور شیخ محمد طاہر بن عاشور نے بھی 'الا ماظھر منھا' کی یہی تفسیر لکھی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پردے کا معیار

'ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن'' چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔'' میں پہلے بھی تفسیر کشاف کے حوالہ سے بیان کر چکا ہوں کہ عرب عورتیں دوپٹہ اسی طرح اوڑھتی تھیں کہ وہ سر کے پیچھے سے کاندھوں پر اس طرح ڈال لیا جاتا تھا کہ اس سے کان، سینہ اور گردن، سب کے سب نمایاں رہتے تھے۔ آیت کا یہ ٹکڑا حکم دیتا ہے کہ وہ سر پر اوڑھے ہوئے اسی دوپٹے کے دونوں لٹکے ہوئے حصوں کو اپنے سینے اور گریبان پر اس طرح ڈال لیں کہ بدن کے مذکورہ حصے اچھی طرح چھپ جائیں۔ ابن عباس نے اس کی تفسیر یوں کی ہے۔ 'تغطی شعرھا وصدرھا وترائبھا وسوالفھا' یعنی عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے بال، سینہ، سینے کا بالائی حصہ، گردن اور اطراف گردن کو ڈھانپے رکھے۔ یہ آیت پردے کی حدود کا تعین کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ پردے کا معیار کیا ہے؟

حرف 'علی' کے ساتھ 'ضرب' کا فعل کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح رکھ دینے کے مفہوم کو پیش کرتا ہے کہ وہ

چیز دوسری چیز کے لیے اوٹ (حاجب) بن جائے۔ سورۂ کہف میں ہے 'فضربنا علی آذانھم' پس ہم نے ان کے کانوں پر پردہ (حجاب) ڈال دیا (تاکہ وہ سن نہ سکیں) (۱۸:۱۱)۔

یہ آیت بڑی وضاحت کے ساتھ عورت کے پردے کی واجبی حدود کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ آیت میں اوڑھنی کے دونوں سروں کو گریبان پر ڈالنے کی گفتگو ہے، اس لیے پردے کی یہی مقدار ہمارے لیے واجب ہے۔

محدثین کا نقطۂ نظر

سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ اسماء بنت ابی بکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئیں۔ انھوں نے بہت باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ چنانچہ آپ نے منہ موڑ لیا اور فرمایا: اے اسماء جب عورت حیض کی عمر کو پہنچ جائے تو پھر مناسب نہیں کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ سوائے اس کے نظر آئے۔ پھر آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ اس حدیث میں ایک علت ہے کہ یہ مرسل ہے۔ لیکن اس کی تقویت اس حدیث سے ہوتی ہے جسے طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' اور ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔ پھر اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی حضرت عائشہ کی روایت اور 'الا ما ظھر منھا' کی ابن عباس کی تفسیر کے بعد فرماتے ہیں کہ ''دیگر صحابہ نے زینت ظاہرہ کی جو تعریف کی ہے، اس سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔ امام ذہبی تہذیب سنن البیہقی (۱:۲۸) میں اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے المصنف[۱۹] میں ابن عباس کی روایت نقل کی ہے جسے زیاد بن ربیع نے صالح الدھان سے انھوں نے جابر بن زید سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ 'الا ما ظھر منھا' سے مراد چہرے اور ہاتھ کی ٹکری ہے اس کی تائید کے طور پر انھوں نے عبداللہ بن عمر کا اثر نقل کیا ہے۔ مذکورہ حدیث کی تقویت منذری، زیلعی اور عسقلانی کے پائے کے حفاظ حدیث نے کی ہے۔ امام شوکانی بھی اس کی تقویت کرتے ہیں۔ یہ حدیث اس مسئلے میں بہت اہم ہے۔ کم و بیش سب مفسرین کرام نے اسے ''الا ما ظھر منھا' کی تفسیر کے ضمن میں پیش کیا ہے۔

فقہا کا نقطۂ نظر

ابن رشد اندلسی اپنی کتاب ''بدایۃ المجتہد'' میں کہتے ہیں کہ اکثر علما کا مذہب ہے کہ ''چہرے اور ہاتھوں کا ستر واجب

۱۹؎ ۴:۱۸۳۔

نہیں"، لیکن امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ پاؤں کا ستر بھی واجب نہیں[20]۔ امام احمد بن حنبل کے دو اقوال ہیں: ایک قول کے مطابق وہ سارے بدن کا ستر بلا استثنا واجب سمجھتے ہیں، جبکہ دوسرے قول کے مطابق وہ جمہور فقہا کی تائید کرتے ہیں۔ ابن قدامہ المغنی میں کہتے ہیں کہ امام احمد کا دوسرا قول مشہور ہے، کیونکہ خرید وفروخت کے لیے عورت کو چہرہ ننگا رکھنے کی ضرورت ہے اور لین دین کے لیے ہاتھوں کو کھلا رکھنا پڑتا ہے۔ ایک اور حنبلی عالم ابن مفلح اپنی کتاب الآداب الشرعیۃ میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ سڑک پر چلتے ہوئے اجنبی عورتوں کے لیے چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ اس سوال کا جواب اس مسئلہ پر موقوف ہے کہ آیا عورت کے لیے چہرہ ڈھانپنا واجب ہے یا اسے دیکھ کر نگاہیں نیچی کر لینا واجب ہے[21]۔ پھر وہ قاضی عیاض کا حوالہ دیتے ہیں جنھوں نے جریر سے مروی مسلم کی روایت کو نقل کیا ہے۔ حضرت جریر فرماتے ہیں: "میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نگاہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی نگاہ پھیر لو قاضی عیاض کا قول ہے کہ علما اس حدیث سے یہ دلیل لیتے ہیں کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب نہیں، بلکہ مرد پر واجب ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی کرلے۔ یہ حنبلی فقہا کی رائے ہے۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ امام اوزاعی اور امام ابن حزم کا بھی یہی قول ہے[22]۔ دور جدید کے مشہور مصری فقیہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور شیخ محمد الغزالی کی بھی یہی رائے ہے[23]۔

امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ نامحرم ہونے کی صورت میں مرد عورت کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے تو آپ نے فرمایا: چہرہ ہتھیلیاں اور دونوں پیر[24]۔ آج بھی ایران میں جب خواتین مظاہرہ کرتی ہیں تو ان کا چہرہ کھلا ہوتا ہے۔ اس بارے میں شیعہ اور سنی علما متفق ہیں بہت کم ایسے مسائل ہیں جن میں شیعہ اور سنی علما میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

متاخرین حنفی فقہا اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عورت کے لیے چہرہ چھپانا واجب نہیں، مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ فتنے کے ڈر سے چہرہ چھپانا چاہیے۔ فتنے کی یہ شرط صفات الٰہیہ میں سے صفت علم کا ایک طرح کا استدراک ہے گویا کہ اللہ کے علم میں نہ تھا کہ فتنہ پیدا ہوگا۔ حالانکہ جب اللہ نے مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی کرنے کا حکم دیا تو پیش نظر فتنے کا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

---

[20] ۱:۸۳۔

[21] ۱:۱۸۷۔

[22] المحلی ۳:۲۲۲۔

[23] الحلال والحرام ۱۵۲۔ الغزو الثقافی ۶۰، ۷۲۔

[24] الکافی ۵:۵۲۱۔

سد باب تھا، لیکن اس کے باوجود چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا۔ سورۂ حجرات کی پہلی آیت میں حکم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ مطلب یہ ہے کہ دین داری کو اس حد تک نہ لے جاؤ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہ دیا ہو۔ یہ دین میں مبالغہ ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ فتنہ کی شرط کتمان حق کے برابر ہے جس سے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۹ میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے بہت کم موضوعات میں اتنا سخت اسلوب اختیار کیا ہے۔ جس بات کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، اسے فتنے کے خوف سے چھپانا کتمان حق ہے اور انسانیت کے حق میں ایک بہت بڑا ظلم۔ مفسرین، محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی رو سے عورت کے لیے چہرہ چھپانا واجب نہیں، بلکہ اگر اسے واجب سمجھا جائے تو پردے کے سارے احکام بے معنی ہو جاتے ہیں۔ چہرے کا چھپانا نہ عادتاً واجب ہے اور نہ عبادتاً۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com